زہرِ عشق - مرزا شوق

اردو مثنوی نگاری میں جن چند اہم ناموں کا ذکر آتا ہے، ان میں حکیم تصدق حسین عرف نواب مرزا شوق بھی ہیں۔ ان کا تعلق لکھنؤ سے ہے۔ انہوں نے "فریبِ عشق"، "بہارِ عشق" اور "زہرِ عشق" جیسی مثنویاں لکھ کر اس صنفِ سخن میں بیش بہا اضافے کیے۔ "زہرِ عشق" ان کی بہت مشہور مثنوی ہے جس نے انہیں غیر معمولی شہرت دلائی۔ لذتِ عشق اور خنجرِ عشق بھی انہیں سے منسوب ہے لیکن کچھ لوگ ان دو مثنویوں کو مرزا شوق کی مثنوی ماننے سے انکار کرتے ہیں۔ زہرِ عشق کے قصے کو دیکھنے کے بعد بعض لوگوں کا یہ ماننا ہے کہ اس کے ہیرو خود مرزا شوق ہیں، جنہوں نے اپنی ہی زندگی کے واقعات کو مثنوی میں بیان کیا ہے۔ اس مثنوی میں جتنے بھی قصے یا واقعات پیش کیے گئے ہیں وہ تمام ہماری حقیقی زندگی کے گرد گھومتے نظر آتے ہیں جس سے مثنوی میں حقیقت نگاری کا ایک دلچسپ نمونہ سامنے آتا ہے۔ مثنوی کی زبان بھی بہت سادہ اور سہل ہے۔ اس میں لکھنؤ کی عام بول چال کی زبان ملتی ہے:

مرگ کا کسی کو انتظار نہیں — زندگی کا کچھ اعتبار نہیں
حشر تک پھر یہ ہوگی بات کہاں — ہم کہاں، تم کہاں، یہ رات کہاں

اس مثنوی کا ہیرو ایک نوجوان ہے اور ہیروئن ایک بہت دولت مند تاجر کی خوبصورت دوشیزہ مہ جبیں ہے۔ وہ ماں باپ کی بہت چہیتی تھی اس کو شعر گوئی کا ذوق اور پڑھنے لکھنے کا شوق تھا۔

سارا گھر اس پہ رہتا تھا قرباں — روح گر ماں کی تھی تو باپ کی جاں
نور آنکھوں کا دل کا چین تھی وہ — راحتِ جانِ والدین تھی وہ

قصہ یہ ہے کہ مہ جبیں اپنی سہیلیوں کے ساتھ بام پر پہنچی، وہاں پڑوس میں ایک لڑکے سے نظریں آمنے سامنے ہوئیں جس کے بعد دونوں ایک دوسرے کے عشق میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ والدین نے اپنے بیٹے کی حالت دیکھی تو ڈر گئے، بہت سمجھانے پر بھی اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ اپنے دل کی بات شرم سے کچھ کہہ نہیں سکتا تھا۔ سوداگر کی بیٹی اور اس نوجوان کے دل میں ایک دوسرے کی محبت روز افزوں بڑھتی رہی۔ ایک روز سوداگر کی بیٹی نے اسے شوق ماما کے ذریعے خط لکھ کر بھیجا، اس نے بھی خط کا جواب بھیجا۔ یہ سلسلہ جاری رہا ایک دوسرے سے وعدے اور وفا کی باتیں کرتے رہے چھپ چھپ کر ملاقاتیں بھی ہوتی رہیں جب سوداگر کے گھر والوں کو پتہ چلا تو اس نے اپنی دختر کو بنارس بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ سوداگر کی بیٹی نے ہجر کا خیال کر کے کہ اب بچھڑنے سے بہتر موت ہی ہے "اس جدائی سے موت بہتر ہے" لڑکی آخری ملاقات کے بعد زہر کھا کر جان دے دیتی ہے جبکہ عاشق زار اسے والدین کی بات ماننے اور والدین جو اولاد پر مرتے بھی

بتاتا رہا۔ لڑکا زہر کھانے سے پہلے بہت مغموم ہوا لیکن اسی اثنا میں غیب سے دل کی آواز آئی دوست اور احباب نے ایک دوسرے کو خبر دی کہ ایک سوداگر کے مکان میں کہرام اور ماتم برپا ہے لڑکی نکاح میں اب ہے برداشت ماں نہ کر سکی اور اس نے بھی زہر کھا لیا۔ اس کے بعد وہ تین روز تک غفلت میں رہا اور خواب میں دیکھا کہ وہ اپنی محبت کو یاد دلا رہی تھی۔ مثنوی کے چند اشعار ملاحظہ کریں:

مر گئی جو تجھ پہ وہ گلفام — زندگی ہو گئی مجھے بھی حرام
سن لیا تو نے زہر کیوں کھایا — کچھ محبت کا بھی نہ پاس آیا
مرنے خود رفتہ اب ہوئے برباد — دو ہی دن میں بھلا دی میری بات

اس طرح سے مرزا شوق نے مثنوی میں ایسا واقعہ پیش کیا ہے جو ہمیں چونکا سکے۔ ایسے واقعات ہمیں برابر دیکھنے کو ملتے رہتے ہیں لیکن ان کی کامیابی یہ ہے کہ انہوں نے بڑی ہنرمندی کے ساتھ بیان کیا ہے جس سے مثنوی میں کشش پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسے قصے ہمیں عموماً داستانوں میں ملتے ہیں

زہر عشق میں بھی دیگر مثنویوں کی طرح اس کی ابتدا حمد، نعت اور منقبت سے ہوتی ہے۔ اس قصے کو پڑھنے کے بعد عطاء اللہ نے لکھا کہ یہ کوئی من گھڑت کہانی یا قصہ نہیں ہے۔ یہ داستان عشق خود مرزا خاں شوق کی داستان عشق ہے۔ اس قصے میں کوئی مافوق الفطرت عناصر نہیں اور نہ کوئی قصہ در قصہ تکنیک کو آگے بڑھانے والی تکنیک استعمال ہوئی۔ ایک سیدھی سادی مختصر سی داستان ہے جس میں کرداروں کی بھرمار ہے نہ مناظر کی بہتات۔ یہی وجہ ہے کہ مختصر نشست میں یہ مثنوی ختم ہو جاتی ہے اور ایک گہرا تاثر چھوڑ جاتی ہے۔ مگر آج کی اس میکانکی دنیا میں جہاں آدمیوں کے جنگل میں آدمی خود گم ہو گیا ہے، خود پرست اور خود غرض ہو گیا ہے۔ ایسے واقعات عشق محض ایک جذباتی دیوانگی کے سوا کوئی حقیقت نہیں رکھتے

اس داستان عشق کو پڑھتے ہوئے ہیرو کے اظہار عشق میں جرأت کی کمی، ماں کی ڈانٹ پھٹکار پر اس کی شرمندگی، ہیروئن کی جدائی میں اس کے جنازے پر جانا اور زہر کھا کر اپنی بھی جان دینے کی کوشش کرنا جیسی باتیں سامنے آتی ہیں۔ وہیں لڑکی کی طرف اس کی جرأت مندی، محبت کا درد اور محبت میں اس کے عزم و ارادے کی پختگی اور عورت کی نصیحت اور محبت کہیں زیادہ لوگوں کی توجہ کا باعث بنتی ہے۔ مرزا شوق کی ... عورت کی زبان اور اس کے جذبات جو کسی نہ کسی طرح سامنے آتے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ کریں:

اب کوئی دم کو کھاؤں گی زہر — میں یہ سمجھا کہ ہو گیا وہی قہر
تو جیا ہے نہ اس کا نام لیا — دونوں ہاتھوں سے دل کو تھام لیا
سارے الفت نے کھو دیے اوسان — ورنہ یہ ظلم ہے خدا کی شان
ہے کوئی اس میں کیا دخیل کرے — جس کو چاہے خدا ذلیل کرے
تو رسن کو ذرا نہ رو دینا — میری عزت نہ یوں ڈبو دینا
مر کے فرقت مرا اٹھا لینا — جی کسی اور سے لگا لینا
ہر جا کچھ مری یاد سے نہ حصول — دل کو کر لینا اور سے مشغول

زہر عشق کے حوالے سے بعض محققین کا خیال ہے کہ اس کی مقبولیت ہیرو ہیروئن کی آخری ملاقات کی وجہ سے ہے۔ یہ بیان چند لکھتے ہیں۔ "ہیروئن نے دنیا سے فانی ہونے پر جو عبرت انگیز تقریر کی ہے اردو مثنویوں میں اس کا جواب نہیں"۔

اس مثنوی میں شوق نے زبان و بیان کی اچھی مثال قائم کی ہے۔ قصے میں مکالمے مختصر ہیں کچھ مکالمے طویل بھی ہیں لیکن ان مکالموں میں جان پائی جاتی ہے۔ طویل مکالموں میں حسن بیان اور لطف بیان میں کمی کا احساس نہیں ہوتا۔ مرزا شوق نے لکھنؤ کی بیگماتی زبان، ان کے محاورے، ضرب الامثال کا استعمال کیا ہے جو اس امر کا اظہار ہے کہ انہیں زبان و محاورات پر بہت قدرت تھی۔

مرے بچے کی جو کڑھائے جان ۔۔۔ سات بار اس کو میں کروں قربان
اللہ اس سے ہم کو یوں پالیں ۔۔۔ آپ آفت میں جان کو کیوں ڈالیں
ڈر سے بیٹھے کی کٹ گئے سب اوقات ۔۔۔ دن کو دن سمجھی اور نہ رات کو رات

اس مثنوی میں لکھنؤ معاشرے کی جھلکیاں ملتی ہیں۔ جن میں خاص طور سے ٹونے ٹوٹکے، رسمیں، ساس یا ماں کا لباس اور وضع قطع سامنے آتے ہیں۔ مسجدوں میں روشنی کرنا، درگاہوں میں جھڑی ہونا جیسی رسموں کے علاوہ نظر بد سے بچنے کے لیے کالا دانہ اتارنا، رائی لون نکالنا، جمعرات کو درگاہوں میں فاتحہ دینا، نوچندی کا میلہ، منت میں برہنہ سر ہونا، تربت پر جا کر تلاوت قرآن کرنا، مہندی دینا، بیاہی لڑکی کے جنازے پر سہرا باندھنا، میت اٹھانا وغیرہ جیسی رسموں کی شکلیں یہاں مل جاتی ہیں۔ مرزا شوق نے اس مثنوی میں حسن بیان کا مرقع اور انسانی زندگی کی بہت سی تصویریں سامنے آتی ہیں۔ اس کے بیان میں جادو نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی کچھ خامیاں لوگوں کی نظروں سے چھپ جاتی ہیں۔ زہر عشق شاعر کو ہمیشہ زندہ رکھنے کے لیے کافی ہے۔ مثنوی نگاری میں میر حسن اور دیا شنکر نسیم کے بعد ~~مرزا شوق نے جس عین~~ جو اہم نام ہے وہ مرزا شوق لکھنوی کا ہے۔